وصیت حذیفہ
برائے اطفال

وصیت حذیفہ برائے اطفال

از قلم حذیفہ

مزید کتابوں کے لیے:

https://archive.org/details/@huzaifah_masood

نظم

بنام خدا جو ہے رحیم و رحمان
بسلام علی رسولہ جو ہے صاحب قران

اے ننھیں جان اے روح نادان
اے ناظر در ظاہر و قاصر از برہان

وصیت کرتا ہے حذیفہ تچھ کو
کہ تیاری کل کی آج کرنا ہے تجھ کو
دیکھنے سے قبل مصیبت کو
اس سے نپٹنے کی تیاری کرنا ہے تچھ کو

اے طالب حقائق اے مُحِبّ صدائق
اے پاکیزہ از عمل ذنائب و قادم در عالَم مصائب

اپنی انگلی پکڑاتا ہے حذیفہ تچھ کو
اسے پکڑ و چل مدارجِ عقل کی غایتِ قُصوئ کو

کیونکہ تیرا عالم لومڑیوں و گدھوں سے بھرا پڑا ہے

لومڑی مکاّر ہوتی ہے تو وہ سچ جاننے کے با وجود جھوٹ بولتی ہے

گدھا جاہل ہوتا ہے تو سچ نا جاننے کی وجہ سے جھوٹ بولتا ہے

و دونوں میں سے کوئی بھی کم نقصان نہیں پہنچاتا ہے

تو حذیفہ قدماء کی مراث تیرے سپرد کرتا ہے

جو علم منطق کہلاتی ہے

جو ہم کو سچ و جھوٹ میں فرق کرنے پہ قادر بناتی ہے

جس کا ذروتِ کمال وہ مقام ہے جہاں ہر جھوٹ کا انکشاف ہوتا ہے

و ہر مکّار کا پردہ فاش ہوتا ہے

مثلاً دہریہ کہتا ہے کہ اگر خدا ہوتا تو برائی نہ ہوتی اس جہاں میں

لیکن برائی ہے تو کوئی خدا نہیں ہے اس جہاں میں

حذیفہ کہتا ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو مار دے بادشاہ کی موجودگی میں

و بادشاہ اسے سزا نہ دے اس معاملے میں

تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ موجود نہیں ہے ملک میں

تو جہاں میں برائی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ الله موجود نہیں ہے اس میں

یعنی دہریہ جھوٹا ہے اپنے کلام میں

و مُلّا کہتا ہے کہ مغرب نے قران پہ تحقیق کیا تو ترقی کر لیا

حذیفہ کہتا ہے کہ چین نے قران پہ تحقیق نہیں کیا لیکن ترقی کر لیا

لہذا ترقی کا و تحقیقِ قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ تحقیقِ قرآن باعثِ ترقی ہے

یعنی مُلا اپنے دعوئ میں جھوٹا ہے

و صوفی کہتا ہے کہ جب شیطان نے زاری کی ننیاوے دلیلوں کو کاٹا

تو رازی نے کہا کہ میں نے بنا دلیل کے خدا کو ایک مانا

یعنی صوفی کا مطلب یہ ہے

کہ دلیل ایک بے حیثیت چیز ہے

و اندھی تقلید کمالِ انسانیت ہے

وہ آدھی بات بتاتا ہے و آدھی نہیں بتاتا

وہ بتاتا ہے کہ شیطان نے سو دلیلوں کو کاٹا

و وہ سب دلیلیں ظنّی تھیں یہ نہیں بتاتا

کیونکہ یقینی دلائل کو کاٹا نہیں جا سکتا

جیسے شراب نشہ آور ہے اس کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا

جس کے دماغ میں ایسی خرافات بھری جاتی ہے

وہ سمجھنے لگتا ہے کہ دلیل بے فائدہ چیز ہوتی ہے

و اندھی تقلید عقل کا جوہر ہوتی ہے

وہ تحقیق کے راستے سے بھٹک جاتا ہے

و پوری زندگی کے لیے اندھا مقلّد بن جاتا ہے

جب کہ اکثر علم ہمیں دلیل سے حاصل ہوتا ہے

جیسے زمیں گول ہے و سورج زمیں سے بڑا ہے

و زندہ رہنے کے لیے ہوا ضروری ہے

یہ سب باتیں انساں نے دلیل سے جانی ہے

حذیفہ کہتا ہے کہ نفسِ واقعہ اس بات پہ شاہد ہے
کہ رازی کے جانب منسوب یہ قصہ ایک جھوٹی صناعت ہے
جو جاہلوں کی خرافات ہے

تو رازی کے بارے میں جاننے کے لیے رازی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا
و خرافاتی مصنوعات سے احتراز کرنا

و ارسطو نے کہا کہ حاکمِ بدن دل ہوتا ہے
جب کہ عصرِ حاضر میں ہر سال پینتیس سو دل بدلا جاتا ہے
لیکن انسان کی عقل و حافظہ میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے
ارسطو نے جھوٹ بولا اس سے معلوم ہوتا ہے

تو فلاسفہ کی ہر بات سچی نہیں ہے
و صوفیاء کی ہر بات سچی نہیں ہے
و اساتذہ و آباء کی ہر بات سچی نہیں ہے
و ہماری بھی ہر بات سچی نہیں ہے
برہان سے جو ثابت ہے وہی سچی بات ہے
جس کی تعلیم اس کتاب کی غایت ہے

مذکورہ تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے
کہ جھوٹا ہمیشہ غیر نہیں ہوتا ہے
بلکہ اکثر و بیشتر وہ اپنوں میں سے ہوتا ہے
کیونکہ اپنوں ہی سے ہمارا سابقہ زیادہ ہوتا ہے
لہذا محقق کے لیے غیر مناسب ہوتا ہے
کہ اپنے بڑوں کی باتوں کو بنا تحقیق کے تسلیم کرے

تو ضروری ہے کہ وہ طریقۂ تحقیق کا علم حاصل کرے
پھر اس علم کو عمل میں لانے کی پُر زور کوشش کرے

عقل کا ہلکا شخص کہتا ہے کہ عقل گمراہی ہے
غزالی نے کہا کہ "عقل ہی رہنمائی ہے
اگر تو عقل کو نا مانے گا
تو کس چیز کو مانے گا
کیا یہود و نصارٰی کے مثل تقلید کو مانے گا"
اگر ہاں تو تو گمراہ ہو جائے گا
و اگر نہیں تو لا محالہ عقل کو ماننا ہوگا

تو محقق کا پہلا فریضہ ہے کہ صدق و کذب کا معنی جانے
تو چاہیے کہ غور سے سنے
صدق وہ بات ہے جو واقع کے مطابق ہو
و کذب وہ بات ہے جو واقع کے خلاف ہو
مثال ان دونوں کی حذیفہ کا قول ہے کہ "بارش ہو رہی ہے"
تو اگر واقعی بارش ہو رہی ہے تو حذیفہ سچا ہے
و اگر نہیں ہو رہی ہے تو وہ چھوٹا ہے

یعنی کوئی بھی بات جو واقع کے مطابق ہوگی تو صادق ہوگی
و اس کا بولنے والا صادق ہوگا
و جو واقع کے خلاف ہوگی تو کاذب ہوگی
و اس کا بولنے والا کاذب ہوگا

محقق کو خوب علم حاصل کرنا چاہیے

کہ ہر فن مولا ہونا چاہیے یعنی فلسفی ہونا چاہیے

و اگر سوال کیا جائے کہ کیا ایک شخص ہر علم حاصل کر سکتا ہے

تو حذیفہ کہے گا کہ بالکل کر سکتا ہے

بس ہمت ہونی چاہیے

اگر سوال کیا جائے کہ کیا ہر شخص فلسفی بن سکتا ہے

تو حذیفہ کہے گا کہ بالکل بن سکتا ہے

بس تمنا ہونی چاہیے

تو سن اے طالب حق دھیان سے

کہ اکثر علم ہمیں کتابوں سے ملتا ہے یا استادوں سے

تو کتابوں کا خوب مطالعہ کیا کر

و استادوں کے بیان پُر توجہ سنا کر

و اگر کچھ سمجھ میں نا آئے تو استاد سے سوال کیا کر

و اگر استاد جواب نہ دے پائے تو اس بات کو چھوڑ دیا کر

چھوڑنے کی شرط ہے

کہ مستقبل میں تجھے اس کی تحقیق کرنا ہے

جو کہ ابھی ممکن نہیں ہے

کیونکہ جس چیز کو تو جاننا چاہتا ہے

اس کا جاننا دوسری چیز پہ موقوف ہے

جو تجھے ابھی معلوم نہیں ہے

جب یہ دوسری چیز تجھے معلوم ہو جائے گی

تو تیرے مسئلہ کا جواب بھی تجھے معلوم ہو جائے گا

جیسے تو نے سوال کیا کہ زاویہ کیا ہے

تو حذیفہ نے کہا کہ "وہ ہے

جسے دو خطوطِ مستقیم کھیرے ہیں

جو ایک دوسرے سے ملی ہیں

لیکن ایک سیدھ میں نہیں ہیں"

اب اگر اس کلام کا معنی جاننا ہے

تو تجھے صبر سے کام لینا ہے

یعنی اپنے دماغ میں موجود علم کو بڑھانا ہے

و امکان و ضرورت کا خاص خیال رکھنا

کہ ممکن کو کبھی ضروری نہ سمجھنا

و ضروری کو کبھی ممکن نہ سمجھنا

قدیم زمانہ کا ایک نظریہ ہے

کہ "چیز جتنی بھاری ہوتی ہے اتنی تیز گرتی ہے"

پہلے اس میں سچ و جھوٹ دونوں کا امکان تھا

لیکن انسان نے اسے ضروری سچ سمجھا

پھر یہ نظریہ جھوٹا ثابت ہوا

تو انسان کا جھوٹا ہونا لازم ہوا

آج انسان دھماکۂ عظیم کو ضروری سچ سمجھتا ہے

جب کہ اس میں سچ و جھوٹ دونوں کا امکان ہے

تو ممکن ہے کہ کل کو یہ بھی جھوٹا ثابت ہو جائے

و اس کے ساتھ آج کا انسان جھوٹا ثابت ہو جائے

تو چاہیے کہ تو کہے "نظریۂ دھماکۂ عظیم کا صحیح ہونا ممکن ہے"

مناسب نہیں ہے کہ کہے "نظریۂ دھماکۂ عظیم کا صحیح ہونا ضروری ہے"

ایسے ہی قدیم زمانہ کا نظریہ ہے

کہ "اعضاء کا حاکم دماغ ہے"

پہلے اس میں سچ و جھوٹ دونوں کا امکان تھا

لیکن مسلمان نے اسے ضروری جھوٹ سمجھا

پھر یہ نظریہ سچا ثابت ہوا

تو مسلمان کا جھوٹا ہونا لازم ہوا

آج مسلمان نظریۂ ڈارون کو ضروری جھوٹ سمجھتا ہے

جب کہ اس میں سچ و جھوٹ دونوں کا امکان ہے

تو ممکن ہے کہ کل کو یہ بھی سچا ثابت ہو جائے

و اس کے ساتھ آج کا مسلمان جھوٹا ثابت ہو جائے

تو چاہیے کہ تو کہے "نظریۂ ڈارون کا غلط ہونا ممکن ہے"

مناسب نہیں ہے کہ کہے "نظریۂ ڈارون کا غلط ہونا ضروری ہے"

کسی بات کو سچا کہنا اس کی تصدیق کرنا ہے

و اسے جھوٹا کہنا اس پہ تنقید کرنا ہے

کہاں تصدیق کرنا ہے و کہاں تنقید کرنا ہے

یہ جاننے کے لیے تجھے اس کتاب کا مطالعہ کرنا ہے

یہاں اتنا جان لے کہ ہر بات کی تصدیق نہیں کی جاتی

و ہر بات پہ تنقید نہیں کی جاتی

تو سن اے طالب حق دھیان سے

کہ علم حاصل ہوتا ہے فقط دو طرق سے

پہلا **بداہت** سے و دوسرا **نظر** سے

دو معلوم باتوں کو ملا کے تیسری بات کو معلوم کرنا **فکر** کہلاتا ہے

جیسے تجھ کو معلوم ہے کہ ہر انسان حیوان ہے

و حذیفہ نے تجھ کو خبر دیا کہ ہر حیوان مؤلف ہے

تو ان دونوں کو ملا کے تو نے جان لیا کہ ہر انسان مؤلف ہے

پھر علم جو بداہت سے یعنی بنا فکر کے حاصل ہوتا ہے وہ **بدیہی** کہلاتا ہے

جیسے تیرا علم کہ سیب لال ہوتا ہے جو اسے دیکھ کے معلوم ہوتا ہے

و علم جو نظر یعنی فکر سے حاصل ہوتا ہے وہ **نظری** کہلاتا ہے

جیسے تیرا علم کہ زمیں گول ہے جو کیفیت گرہن میں فکر کر کے معلوم ہوتا ہے

و علم کی پھر دو قسم ہے

پہلی تصور و دوسری تصدیق ہے

تو کل چار قسم ہوئی

تصور بدیہی و تصور نظری و تصدیق بدیہی و تصدیق نظری جن کا نام ہوا

تصور ذہن میں موجود تنہاں معنی ہے

جیسے گھوڑے کی صورت جو تو نے اپنے ذہن میں بنایا ہے

تصدیق دو تصورات کے درمیان کی ایجابی یا سلبی نسبتِ خبری ہے

ایجابی ثبوت پہ دلالت کرتی ہے جیسے زید عالم ہے

و سلبی نفی پہ دلالت کرتی ہے جیسے عمرو کاتب نہیں ہے

و یہ دونوں یا تو صادق یا کاذب ہوتی ہیں

جیسے انسان حیوان ہے و انسان پتھر نہیں ہے، صادق ہیں

و انسان حیوان نہیں ہے و انسان پتھر ہے، کاذب ہیں

و فکر کی دو قسم ہے

ایک حجت و دوسری تعریف ہے

حجت معلوم تصدیقات سے بنی ہوتی ہے

جس سے نا معلوم تصدیق معلوم ہوتی ہے

جب کہ **تعریف** معلوم تصورات سے بنی ہوتی ہے

جس سے نا معلوم تصور معلوم ہوتا ہے

و حجت و تعریف کو لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے

لہذا پہلے لفظ کا بیان کیا جاتا ہے

پھر معانی کی طرف التفات کیا جاتا ہے

تو سن لفظ کا بیان شروع ہے یہاں سے

جس کی تعریف مذکور ہے قبل ہر چیز سے

کہ **لفظ** وہ آواز ہے جو نکلے انسان کے منہ سے

و جو لکھا جاتا ہے وہ نقش ہے جو لفظ کہلاتا ہے

کیونکہ وہ لفظ ہی پہ دلالت کرتا ہے

لہذا جو اسم پہ دلالت کرتا ہے وہ اسم کہلاتا ہے

و جو فعل پہ دلالت کرتا ہے وہ فعل کہلاتا ہے

و جو حرف پہ دلالت کرتا ہے وہ حرف کہلاتا ہے

لفظ کی دو قسم ہے

پہلی لفظِ موضوع و دوسری لفظِ مہمل ہے

لفظِ مہمل سے کوئی بحث وابسطہ نہیں ہے

کیونکہ وہ بے معنی لفظ ہے

"دیز" و "لگاب" اس کی مثال ہے

و **لفظِ موضوع** معنی دار لفظ ہے

"زید" و "گلاب" اس کی مثال ہے

جس کو اب ہمیں بیان کرنا ہے

تو لفظ کی دو قسم ہوتی ہے

پہلی مفرد و دوسری مرکب کہلاتی ہے

مفرد کا جز اس کے معنی کے جز پہ دلالت نہیں کرتا ہے

جیسے لفظ "انسان" کا ا، س، ن اس کے جزِ معنی پہ دلالت نہیں کرتا ہے

و **مرکب** کا جز اس کے معنی کے جز پہ دلالت کرتا ہے

جیسے لفظ "کالا کتّا" کا جز اس کے معنی کے جز پہ دلالت کرتا ہے

یعنی "کالا" رنگ پہ و "کتا" حیوان پہ دلالت کرتا ہے

پھر لفظ مرکب کی دو قسم ہے

مرکب تام و مرکب ناقص جن کا نام ہے

"سورج چمکدار ہے" پہلے کی مثال ہے

"چمکدار سورج" دوسرے کی مثال ہے

و لفظ مفرد کی معنی کے بنسبت تین قسم ہے

مشترک و متواطی و مشکک جن کا نام ہے

مشترک وہ لفظ ہے جو دو مختلف معنی کے لیے بنایا گیا ہے

جیسے لفظ سونا کہ اس کا دو مختلف معنی ہوتا ہے

ایک جاگنے کی ضد ہے و دوسرا دھات کی ایک قسم ہے

متواطی وہ لفظ ہے جو ایک ایسے معنی کے لیے بنایا گیا ہے

جو مختلف چیزوں میں بالکل برابر سے پایا جاتا ہے

جیسے لفظ حیوان کا معنی کہ وہ انسان، گھوڑا و بکری وغیرہ میں بالکل برابر ہوتا ہے

مشکک وہ لفظ ہے جو ایک ایسے معنی کے لیے بنایا گیا ہے

جو مختلف چیزوں میں کمی و بیشی کے ساتھ پایا جاتا ہے

جیسے لفظ سفید کہ وہ دودھ و دانت و برف میں پایا جاتا ہے

لیکن سختی میں کسی میں زیادہ ہوتا و کسی میں کم ہوتا ہے

و لفظ مفرد کی دوسرے لفظ کے بنسبت پانچ قسم ہے

مترادف و متباین و منقول و حقیقت و مجاز جن کا نام ہے

جب دو لفظ ایک ہی معنی پہ دلالت کرتے ہیں

تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا **مترادف** ہوتا ہے

جیسے "والد" و "باپ" کا معنی ایک ہی ہوتا ہے

جب دو لفظ ایک دوسرے کے معنی پہ دلالت نہیں کرتے ہیں

تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کا **متباین** ہوتا ہے

جیسے "انسان" و "گھوڑا" کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے معنی پہ نہیں بولا جاتا ہے

ایک معنی کے لیے بنایا ہوا لفظ جب دوسرے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے

تو پہلے کی بنسبت **حقیقت** کہلاتا ہے و دوسرے کی بنسبت **مجاز** کہلاتا ہے

و اگر دوسرے معنی میں مشہور ہوجائے تو **منقول** کہلاتا ہے

جیسے "شیر" شیر کے لیے حقیقت و انسان کے لیے مجاز ہے

و جیسے "سردار" امیر کے معنی سے سکھ کے معنی کے جانب منقول ہے

و **دلالت** ایک چیز کے علم سے دوسری چیز کا علم حاصل ہونے کو کہا جاتا ہے

جیسے دھواں دیکھ کے آگ جلنے کا علم حاصل ہوتا ہے

جس سے علم حاصل ہوتا ہے وہ **دال** کہلاتا ہے

و جس کا علم حاصل ہوتا ہے وہ **مدلول** کہلاتا ہے

جیسے مثال مذکور میں دال دھواں و مدلول آگ ہے

کیونکہ دھویں سے علم حاصل ہوا ہے و آگ کا علم حاصل ہوا ہے

و دلالت کی دو قسم ہوتی ہے

پہلی لفظی و دوسری غیر لفظی کہلاتی ہے

جب دال لفظ ہو تو دلالت **لفظی** ہوتی ہے

و جب وہ غیر لفظ ہو تو **غیر لفظی** ہوتی ہے

پھر دلالت لفظی کی تین قسم ہے

جب لفظ کسی چیز پہ دال ہو وضع کی وجہ سے تو دلالت **لفظی وضعی** ہے

لفظ "زید" و "انسان" و "نا چیز" کا اپنے معنی پہ دال ہونا اس کی مثال ہے

جب لفظ کسی چیز پہ دال ہو طبیعت کی وجہ سے تو دلالت **لفظی طبیعی** ہے

لفظ "آہ آہ" کا تکلیفِ انسان پہ دال ہونا اس کی مثال ہے

جب لفظ کسی چیز پہ دال ہو عقل کی وجہ سے تو دلالت **لفظی عقلی** ہے

دوار کے پیچھے سے سنے ہوئے لفظ کا وہاں موجود بولنے والے پہ دال ہونا اس کی مثال ہے

و دلالت غیر لفظی کی بھی تین قسم ہے

جب غیر لفظ کسی چیز پہ دال ہو وضع کی وجہ سے تو دلالت **غیر لفظی وضعی** ہے

اوپر نیچے سر ہلانے کی رضامندی پہ دلالت اس کی مثال ہے

جب غیر لفظ کسی چیز پہ دال ہو طبیعت کی وجہ سے تو دلالت **غیر لفظی طبیعی** ہے

آنسو بہنے کی غمی پہ دلالت اس کی مثال ہے

جب غیر لفظ کسی چیز پہ دال ہو عقل کی وجہ سے تو دلالت **غیر لفظی عقلی** ہے

دھویں کی آگ پہ دلالت اس کی مثال ہے

و دلالت لفظی وضعی کی تین قسم ہے

جن کا نام مطابقی و تضمنی و التزامی ہے

مطابقی لفظ کی اس کے پورے معنی پہ دلالت ہے

لفظ "جانور" سے اس کے مسمّی کو مراد لینا اس کی مثال ہے

تضمنی لفظ کی اس کے معنی کے جز پہ دلالت ہے

لفظ "جانور" سے خالص ضبیحہ کو مراد لینا اس کی مثال ہے

و **التزامی** لفظ کی اس کے معنی کے غیر پہ دلالت ہے

لفظ "جانور" سے ظالم و بد خُلق کو مراد لینا اس کی مثال ہے

موجودات کی دو قسم ہے

پہلی جزئی و دوسری کلی ہے

جس کے تصور میں کوئی چیز شریک نہ ہو سکے وہ **جزئی** ہے

زید و یہ پیڑ و یہ کتاب اس کی مثال ہے

و جس کے تصور میں دوسری چیز شریک ہو سکے وہ **کلی** ہے

انسان و پیڑ و کتاب اس کی مثال ہے

جزئی واقع میں پائی جاتی ہے

جب کہ کلی جزئی کے ضمن میں پائی جاتی ہے

کہ ہم زید و عمرو و بکر کو حقیقت میں پاتے ہیں

جب کہ حیوان کا معنی ان کے ضمن میں پاتے ہیں

پھر لفظ جو جزئی پہ دال ہو وہ **جزئی** کہلاتا ہے

و جو کلی پہ دال ہو وہ **کلی** کہلاتا ہے

آپسی نسبت کے اعتبار سے کلیات کی چار قسم ہے

متساوی و متباین و عام خاص مطلق و عام خاص باعتباری ان کا نام ہے

جب ایک کلی کا ہر فرد دوسری میں و دوسری کا ہر فرد پہلی میں داخل ہو

تو ہر ایک دوسری کے **متساوی** ہے

انسان و عقل والا ان کی مثال ہے

جب ایک کلی کا ہر فرد دوسری میں داخل ہو لیکن دوسری کا ہر فرد پہلی میں داخل نہ ہو

تو پہلی **خاص مطلق** و دوسری **عام مطلق** ہے

انسان و حیوان ان کی مثال ہے

جب پہلی کے بعض افراد دوسری میں و دوسری کے بعض افراد پہلی میں داخل ہوں

تو دونوں میں سے ہر ایک **باعتبار عام** و **باعتبار خاص** ہے

سفید بگلا ان کی مثال ہے

جب دونوں میں سے کسی کلی کا کوئی فرد دوسری میں داخل نہ ہو

تو ہر ایک دوسری کے **متباین** ہے

پھر چیز کے بنست کلی کی دو قسم ہے

ذاتی و عرضی جن کا نام ہے

کلی ذاتی وہ ہے جس پہ چیز کی حقیقت موقوف ہو

جیسے انسان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حیوان ہو

و **کلی عرضی** وہ ہے جو چیز کی حقیقت سے خارج ہو

جیسے انسان ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ گورا ہو

پھر ذاتی کی تیں قسم ہے

جنس و نوع و فصل جن کا نام ہے

جنس وہ کلی ذاتی ہے جس سے عام کوئی ذاتی نہ ہو

جیسے "جوہر" جنس ہے کہ اس سے عام کوئی ذاتی نہیں ہے گرچہ عرضی ہے جیسے موجود

نوع وہ کلی ذاتی جس سے خاص کوئی ذاتی نہ ہو

جیسے "انسان" نوع ہے کہ اس سے خاص کوئی ذاتی نہیں ہے گرچہ عرضی ہے جیسے مرد

فصل وہ ہے جس سے جنس تقسیم ہو و نوع قائم ہو

جیسے "عقل والا" فصل ہے کہ اس سے حیوان تقسیم ہوتا ہے و انسان قائم

جب نوع سے اوپر چڑھا جاتا ہے

تو جو سب سے اوپر آتی ہے

وہ **جنس عالی** و **جنس اجناس** کہلاتی ہے

مثال میں اس کی جوہر بولا جا سکتا ہے

و جب جنس سے نیچے اترا جاتا ہے

تو جو سب سے نیچے آتی ہے

وہ **نوع سافل** یا **نوع انواع** کہلاتی ہے

مثال میں اس کی انسان بولا جا سکتا ہے

و ہر وہ ذاتی جو درمیان میں آتی ہے

تو وہ متوسط کہلاتی ہے

حیوان و نامی و جسم اس کی مثال ہو سکتی ہے

و ہر متوسط اپنے ما فوق کی بنسبت **نوع اضافی** کہلاتا ہے

جیسے جسم نوع اضافی ہےجوہر کی

و جسم نامی جسم کی و حیوان جسم نامی کی

و اپنے ما تحت کے بنسبت **جنس اضافی** کہلاتا ہے

جیسے حیوان جنس اضافی ہے انسان کی

و جسم نامی حیوان کی و جسم جسم نامی کی

و ہر وہ ذاتی جو اضافی نہ ہو تو حقیقی ہے

یعنی جنس عالی جنس حقیقی ہے

و نوع سافل نوع حقیقی ہے

و کلی عرضی کی دو قسم ہے

خاصہ و عرض عام جن کا نام ہے

خاص وہ ہے جو ایک حقیقت کے ساتھ خاص ہو

جیسے ہسنے والا انسان کا خاصہ ہے

کیونکہ وہ اسی میں پایا جاتا ہے

و **عرض عام** وہ ہے جو ایک حقیقت کے ساتھ خاص نہ ہو

جیسے پیر سے چلنے والا انسان کا عرض عام ہے

کیونکہ وہ اس کے غیر میں بھی پایا جاتا ہے

ایک چیز میں چار علتیں موجود ہوتی ہیں

جو مادی و صورتی و فاعلی و غایتی کہلاتی ہیں

علت مادی چیز کا مادہ ہے

جیسے کلہاڑی کا مادہ لوہا و لکڑی ہے

علت صورتی چیز کی بناوٹ ہے

جیسے کلہاڑی کی ایک مخصوص بناوٹ ہے

علت فاعلی چیز کا صانع ہے

جیسے انسان کلہاڑی کا صانع ہے

علت غایتی چیز کی عایت ہے

جیسے لکڑی کاٹنا کلہاڑی کی غایت ہے

اب بیان شروع ہے **تعریف** کا یہاں سے

و وہ مجہول تصور حاصل کرنا ہے معلوم تصورات سے

یعنی مادۂ تعریف تصور ہے و صورت اس کی ان کی ترکیب ہے

سنے والے کے ذہن میں چیز کا تصور قائم کرنا اس کی غایت ہے

و فاعل اس کا بلا شبہ انسان ہے

و تعریف کی دو قسم ہے

اول حد ہے و دوسری رسم ہے

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسم ہے

تو حد تام و ناقص و رسم تام و ناقص چار قسم ہے

حد تام وہ ہے جو فصل و جنس قریب سے بنی ہو

جیسے "عقل والا حیوان" انسان کی حد تام ہے

حد ناقص وہ ہے جو فصل و جنس بعید سے بنی ہو

جیسے "عقل والا جسم" انسان کی حد ناقص ہے

رسم تام وہ ہے جو خاصہ و جنس قریب سے بنی ہو

جیسے "ہسنے والا حیوان" انسان کی رسم تام ہے

رسم ناقص وہ ہے جو خاصہ و جنس بعید سے بنی ہو

جیسے "ہسنے والا جسم" انسان کی رسم ناقص ہے

آگے جو آ رہا ہے اسے دھیان سے پڑھنا

جب بھی ممکن ہو تو حد بیان کرنا

و رسم سے احتراز کرنا

مثلاً انسان کی تعریف میں "حیوان جو عقل والا ہو" کہنا

و "حیوان جو ہسنے والا ہو" نہ کہنا

و جب حد ممکن نہ ہو تبھی رسم کے جانب التفات کرنا

مثلاً جوہر کی تعریف میں "موجود جو خود با خود قائم ہو" کہنا

اس میں "موجود" عرض عام ہے نہ کہ جنس دھیان سے سمجھنا

و حد میں واقع ہونے والی خطاء سے خبردار رہنا

کہ چیز کی اسی سے حد بیان نہ کرنا

تو زمان کی حد میں "مدت بینِ حرکات" نہ کہنا

کیونکہ "مدت" و "زمان" ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یاد رکھنا

و جس کی معرفت چیز پہ موقوف ہو اس سے بھی اجتناب کرنا

کہ سورج کی حد میں "دن میں نکلنے والا تارا" نہ کہنا

کیونکہ دن کی حد ہے "سورج کے نکلے ہونے کا زمان" یاد رکھنا

و جو چیز سے زیادہ غامض ہو اس کو بھی استعمال نہ کرنا

کہ آگ کی حد میں "روح کے متشابہ جسم" نہ کہنا

کیونکہ روح آگ سے بھی زیادہ غامض ہے یاد رکھنا

و اضداد سے بھی گزیر کرنا

جیسے سفید کی حد میں "کالے کی ضد" نہ کہنا

کیونکہ جو سفید نہ جانے گا وہ کالا بھی نہ جانے گا یاد رکھنا

تعریف میں خالص وہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں

جو تصور پہ دلالت کرتے ہیں

جو مفرد یا مرکب ناقص یا شرط کے قبیل سے ہوتے ہیں

"ناطق" و "عقل والا" و "جو عقل والا ہو" مثال میں بولے جا سکتے ہیں

اب بیان شروع ہے **حجت** کا یہاں سے

و وہ مجہول تصدیق حاصل کرنا ہے معلوم تصدیقات سے

یعنی مادۂ حجت تصدیق ہے و صورت اس کی ان کی ترکیب ہے

سنے والے کے ذہن میں بات کی تصدیق قائم کرنا اس کی غایت ہے

و فاعل اس کا بلا شبہ انسان ہے

لفظ جو حجت میں استعمال ہوتا ہے

وہ مرکب تام ہے جو **قضیہ** کہلاتا ہے

کیونکہ وہی تصدیق پہ دلالت کرتا ہے

پھر قضیہ کی دو قسم ہے

حملیہ و شرطیہ جن کا نام ہے

حملیہ خبر پہ دلالت کرتا ہے

"سورج روشن ہے" اس کی مثال ہے

شرطیہ شرط پہ دلالت کرتا ہے

"اگر سورج نکلا ہے تو دن ہے" اس کی مثال ہے

حملیہ کبھی دو اجزا سے بنا ہوتا ہے

"زید دوڑا" اس کی مثال ہے

و کبھی تین اجزا سے بنا ہوتا ہے

"عمرو عالم ہے" اس کی مثال ہے

جس کے بار میں خبر دی جاتی ہے

اس جز کو **موضوع** کہا جاتا ہے

جیسے "زید" و "عمرو" مثال مذکور میں

و جو خبر دی جاتی ہے

اس کو **محمول** کہا جاتا ہے

جیسے "دوڑا" و "عالم" مثال مذکور میں

و جو دونوں کے درمیان رابطہ بناتا ہے

اس کو **حرف ربط** کہا جاتا ہے

جو کبھی مذکور و کبھی مقدر ہوتا ہے

جیسے "ہے" مثال مذکور میں

شرطہ کی دو قسم ہے

متصلہ و منفصلہ جن کا نام ہے

متصلہ دو قضایا میں اتصال پہ دلالت کرتا ہے جس کی دو قسم ہے

ایک **با محمول عام** جیسے "اگر یہ انسان ہے تو یہ حیوان ہے"

اس میں جب پہلا صادق ہوگا تو دوسرا صادق ہوگا

دوسری **با محمول متساوی** جیسے "اگر سورج نکلا ہے تبھی دن ہے"

اس میں دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ہی صادق ہوگا

و متصلہ با محمول عام کا پہلا جز **مقدم** و دوسرا **تالی** کہلاتا ہے

جب کہ **منفصلہ** دونوں کے انفصال پہ دلالت کرتا ہے جس کی تین قسم ہے

انفصال حقیقی جیسے "یا یہ چیز متحرک ہے یا یہ چیز ساکن ہے"

اس کے دونوں جز ایک ساتھ نا تو صادق ہوں گے و نا کاذب ہوں گے

مانعت جمع جیسے "زید جوان ہے یا بوڑھا ہے"

اس کے دونوں جز ایک ساتھ صادق نہ ہوں گے

لیکن اگر زید بچا ہو تو دونوں ایک ساتھ کاذب ہو جائیں گے

مانعت خلو جیسے "سورج نکلا ہے یا اندھیرا ہے"

اس کے دونوں جز ایک ساتھ کاذب نہ ہوں گے

لیکن اگر گرہن لگا ہو تو دونوں ایک ساتھ صادق ہو جائیں گے

پھر قضیہ کی حکم کے اعتبار سے دو قسم ہے

اگر حکم کو ثابت کرے تو **موجبہ** ہے

"انسان جاندار ہے" اس کی مثال ہے

و اگر حکم کی نفی کرے تو **سالبہ** ہے

"انسان پتھر نہیں ہے" اس کی مثال ہے

و جس لفظ سے سلب ہو وہ **حرف سلب** ہے

"نا" و "نہیں" وغیرہ اس کی مثال ہے

و اگر حرف سلب جز قضیہ پہ داخل ہے

تو وہ قضیہ **معدولہ** کہلاتا ہے

"زید نا لایق ہے" معدولہ موجبہ کی مثال ہے

"زید نا لایق نہیں ہے" معدولہ سالبہ کی مثال ہے

پھر حملیہ کی موضوع کے اعتبار سے تین قسم ہے

مخصوصہ و محصورہ و مہملہ جن کا نام ہے

مخصوصہ وہ ہے جس کا موضوع شخص معین ہو

جیسے "زید حیوان ہے"

مہملہ وہ ہے جس کا موضوع بنا حصر کے غیر شخصی ہو

جیسے "انسان حیوان ہے"

محصورہ وہ ہے جس کا موضوع حصر کے ساتھ غیر شخصی ہو

جیسے "بعض انسان حیوان ہیں" و "ہر انسان حیوان ہے"

و "ہر" و "بعض" **سور** ہیں جن سے حصر کیا جاتا ہے

اگر محصور میں سور کلی ہو تو **محصورہ کلیہ** بولا جاتا ہے

و اگر سور جزئی تو **محصورہ جزئیہ** بولا جاتا ہے

و مہملہ جزئیہ کی قوت میں ہوتا ہے

پھر ان میں سے ہر ایک کا سالبہ بھی ہوتا ہے

"الہ آباد حیوان نہیں ہے" مخصوصہ کی مثال ہے

"تارا حیوان نہیں ہے" مہملہ کی مثال ہے

"کوئی تارا حیوان نہیں ہے" محصورہ کلیہ کی مثال ہے

"بعض تارے حیوان نہیں ہیں" محصورہ جزئیہ کی مثال ہے

پھر قضیہ کی دو قسم ہے

موجّھہ و مطلقہ جن کا نام ہے

مطلقہ وہ ہے جس میں جہت مذکور نہ ہو

جیسے "انسان جاندار ہے"

موجھہ وہ ہے جس میں جہت مذکور ہو

جیسے "ضروری طور پہ انسان جاندار ہے"

پھر موجھہ کی تین قسم ہے

واجب و ممکن و ممتنع جن کا نام ہے

جس میں حکم ایجابی ضروری ہو وہ **واجب** ہے

جیسے "ضروری ہے کہ انسان جاندار ہے"

و جس میں حکم سلبی ضروری ہو وہ **ممتنع** ہے

جیسے "ضروری ہے کہ انسان پتھر نہیں ہے"

و جس میں کوئی حکم ضروری نہ ہو وہ **ممکن** ہے

جیسے "ممکن ہے کہ انسان کاتب ہے"

پھر واجب و ممتنع ایک ساتھ **ضروری** کہلاتا ہے

و ممکن جس کا ذکر گزرا وہ **ممکنہ خاصہ** کہلاتا ہے

جو ضروری کے مقابل میں بولا جاتا ہے

و ممکن جو خالص ممتنع کے مقابل میں بولاتا جاتا ہے

کہ واجب اس میں شامل ہوتا ہے

تو وہ **ممکنہ عامہ** کہلاتا ہے

امور مذکور مثل حملیہ

جاری ہیں بر شرطیہ

کہ اگر أ ب ہے تو ج د ہے

ہر مرتبہ جب أ ب ہے تو ج د ہے

بعض مرتبہ جب أ ب ہے تو ج د ہے

و مہملہ پہ سیاق دلالت کرتا ہے

پھر جب سلب کو تعبیر کرنا ہوتا ہے

تو ان کے قبل "ایسا نہیں ہے کہ" زائد کیا جاتا ہے

اب شرطیہ میں جہت کا ذکر ہے

واجب ہے کہ اگر أ ب ہے تو ج د ہے

ممتنع ہے کہ اگر أ ب ہے تو ج د ہے

ممکن ہے کہ اگر أ ب ہے تو ج د ہے

ایسے ہی کلیہ و جزیہ کا بیان ہے

کسی قضیہ کا **عکس** وہ قضیہ ہے

اس کے موضوع و محمول کو پلٹ کے جو بنا ہے

مع بقائے صدق و کیف یعنی ایجاب و سلب کے

جیسے "أ ب ہے" کا عکس ہے "ب أ ہے"

تو موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوگا

جیسے "ہر انسان حیوان ہے" سے "بعض حیوان انسان ہیں" ہوگا

و موجبہ جزیہ کا عکس موجبہ جزئیہ ہوگا

جیسے "بعض گھوڑے سفید ہیں" سے "بعض سفید گھوڑے ہیں" ہوگا

و سالبہ کلیہ کا عکس سالبہ کلیہ ہوگا

جیسے "کوئی انسان پتھر نہیں ہے" سے "کوئی پتھر انسان نہیں ہے" ہوگا

و سالبہ جزئیہ کا عکس ہی نہیں ہوگا

جیسے "بعض انسان کاتب نہیں ہیں" سے "بعض کاتب انسان نہیں ہیں" نا ہوگا

کیونکہ تب صدق باقی نا رہے گا

متناقض وہ دو قضایا ہیں جن میں سے ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو لازم کرے

تو وہ دونوں ایک دوسرے کی **نقیض** ہوئے

جیسے "زید کھڑا ہے" و "زید کھڑا نہیں ہے" خوب سمجھ لے

دو قضایا میں **تناقض** کے لیے آٹھ امور میں اتحاد ضروری ہے

جنہیں ایک ساتھ **وحدتِ آٹھ** کہا جاتا ہے

کہ اگر ان میں سے کوئی مختلف ہوگا

تو ان دونوں میں تناقض نہ ہوگا

موضوع سے ایک ہی چیز مراد ہو

لہذا "زید کھڑا ہے" و "زید کھڑا نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر دونوں "زید" کا مدلول مختلف ہوگا

محمول سے ایک ہی چیز مراد ہو

لہذا "زید حکیم ہے" و "زید حکیم نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر دونوں "حکیم" کا مدلول مختلف ہوگا

اضافت ایک ہی چیز کے جانب ہو

لہذا "پانچ آدھا ہے" و "پانچ آدھا نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر مثلاً پہلے سے دس کا و دوسرے سے آٹھ کا آدھا مراد ہوگا

ایک **قوت** میں و دوسرا **فعل** میں نہ ہو

لہذا "زید باپ ہے" و "زید باپ نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر ایک سے بالقوت و دوسرا بالفعل مراد ہوگا

ایک سے **جز** و دوسرے سے **کل** مراد نہ ہو

لہذا "یہ کتا کالا ہے" و "یہ کتا کالا نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر ایک سے بعض کتا و دوسرے سے کل کتا مراد ہوگا

دونوں کا **مکان** مختلف نہ ہو

لہذا "پانی موجود ہے" و "پانی موجود نہیں ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر ایک سے زمین پہ و دوسرے سے چاند پہ مراد ہوگا

دونوں کا **زمان** مختلف نہ ہو

لہذا "زید مسجد میں تھا" و "زید مسجد میں نہیں تھا" میں تناقض نہ ہوگا

اگر دونوں کا زمان مختلف ہوگا

شرط دونوں میں ہو یا دونوں میں نہ ہو

لہذا "سورج گرہن ہوتا ہے" و "سورج گرہن نہیں ہوتا ہے" میں تناقض نہ ہوگا

اگر کوئی ایک، نہ کی دوسرا، چاند کے وسط میں ہونے کے ساتھ مشروط ہوگا

پھر اگر قضایا محصورہ ہیں تو **کلی** و **جزی** میں اختلاف بھی ضروری ہے

جیسے "ہر انسان عالم ہے" و "بعض انسان عالم نہیں ہیں" میں تناقض ہے

لیکن "ہر انسان عالم ہے" و "کوئی انسان عالم نہیں ہے" میں تناقض نہیں ہے

کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کاذب ہے

و "بعض انسان عالم ہیں" و "بعض انسان عالم نہیں ہیں" میں بھی تناقض نہیں ہے

کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک صادق ہے

لہذا کلی و جزی کا اختلاف ضروری ہے

تو موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوئی

جیسے "ہر انسان حیوان ہے" سے "بعض انسان حیوان نہیں ہیں" ہوا

و موجبہ جزئیہ کی نقیض سالبہ کلئہ ہوئی

جیسے "بعض حیوان انسان ہیں" سے "کوئی حیوان انسان نہیں ہے" ہوا

و سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوئی

جیسے "کوئی پتھر حیوان نہیں ہے" سے بعض پتھر حیوان ہیں" ہوا

و سالبہ جزئیہ کی نقیض موجبہ کلیہ ہوئی

جیسے "بعض حیوان انسان نہیں ہیں" سے "ہر حیوان انسان ہے" ہوا

حجت کی تین قسم ہے

قیاس و استقراء و تمثیل جن کا نام ہے

قیاس دو اقوال کو ایسے مؤلف کرنا ہے کہ تیسرا قول لازم آئے

اس طور پہ کہ جب انہیں صادق مانا جائے

تو تیسرے کو صادق ماننا بھی لازم آئے

جن قضایا کو مرکب کیا جاتا ہے

ان میں سے ہر ایک **مقدمہ** کہلاتا ہے

و جو ان سے لازم آیا وہ **نتیجہ** کہلاتا ہے

و حاصل ہونے سے قبل نتیجہ **مطلوب** کہلاتا ہے

لہذا "ب ج ہے" و "ج د ہے" تو لآزم آیا کہ "ب د ہے"

اس میں اول دو قضایا میں سے ہر ایک مقدمہ ہے

و تیسرا قضیہ معلوم ہونے کے بعد نتیجہ ہے

و معلوم ہونے سے قبل اسی کو مطلوب کہا جاتا ہے

قیاس کی دو قسم ہے

حملی و شرطی جن کا نام ہے

حملی قضایا کے اقتران سے بنا ہوتا ہے

اقتران انہیں قضایا میں ہوتا ہے

جن میں ایک جز مشترک ہوتا ہے

جو نتیجہ میں ساقط ہو جاتا ہے

و اسے **حد اوسط** کہا جاتا ہے

جیسے مثال گزشتہ میں "ج" ہے

و نتیجہ کا موضوع **حد اضغر** کہلاتا ہے

جیسے مثال گزشتہ میں "ب" ہے

و اس کا محمول **حد اکبر** کہلاتا ہے

جیسے مثال گزشتہ میں "د" ہے

و جس مقدمہ میں حد اصغر ہو وہ **صغری** کہلاتا ہے

جیسے مثال گزشتہ میں "ب ج ہے"

و جس مقدمہ میں حد اکبر ہو وہ **کبری** کہلاتا ہے

جیسے مثال گزشتہ میں "ج د ہے"

صحت قیاس کی شرط ہے کہ اس کے مقدمات کی ترتیب صحیح ہو

و ترتیب صحیح یہ ہے کہ صغری موجبہ ہو خواہ کلیہ ہو یا جزیہ ہو

و کبری کلیہ ہو خواہ موجبہ ہو یا سالبہ ہو

تو اسے اس ترتیب پہ مرتب کرو اگر پہلے سے نہ ہو

و اس کی تین طرق ہیں سن لو

عکس و خلف و افتراض کہا جاتا ہے ان کو

عکس کا ذکر گزر چکا ہے

و افتراض یہاں مذکور ہے

جب کہ خلف قیاس کی نوع ہے

افتراض حلِ مسائل کے لیے کسی چیز کو فرض کرنا ہے

جیسے "بعض أ ب نہیں ہے" و "ہر ج ب ہے"

تو ہم نے ان بعض أ کو جو ب نہیں ہیں ھ فرض کیا

و کہا "کوئی ھ ب نہیں ہے" پھر اس کا عکس کیا

کہ "کوئی ب ھ نہیں ہے" پھر اسے دوسرے مقدمہ سے ملایا

تو "کوئی ج ھ نہیں ہے" نتیجہ آیا

تو "کوئی ھ ج نہیں ہے" اس کا عکس ہوا

ینعی "بعض أ ج نہیں ہے" معلوم ہوا

قیاس شرطی کا ایک مقدمہ قضیۂ شرطی ہوتا ہے

جس کا ایک جز اس کا دوسرا مقدمہ ہوتا ہے

و دوسرا جز نتیجہ ہوتا ہے

جیسے "اگر أ ب ہے تو ب ج ہے" و "أ ب ہے"

تو نتیجہ لازم آیا کہ "ب ج ہے"

پھر کبھی وہ مقدمہ شرطی متصل ہوتا ہے

تو مقدم کے استثناء سے تالی لازم آتا ہے

و نقیض تالی کے استثناء سے نقیض مقدم لازم آتی ہے

جیسے "اگر یہ انسان ہے تو یہ حیوان ہے"

و "یہ انسان ہے" تو لازم ہے کہ "یہ حیوان ہے"

و "یہ حیوان نہیں ہے" تو لازم ہے کہ "یہ انسان نہیں ہے"

لیکن ان کا عکس کوئی نتیجہ نہیں دیتا ہے

جیسے "یہ انسان نہیں ہے" سے کچھ لازم نہیں ہے

کیونکہ اس سے حیوان ہونے و نا ہونے دونوں کا امکان ہے

و "یہ حیوان ہے" سے بھی کچھ لازم نہیں ہے

کیونکہ اس سے انسان ہونے و نا ہونے دونوں کا امکان ہے

لیکن اگر مقدم و تالی متساوی ہوتے ہیں

تو چاروں استثناء نتیجہ دیتے ہیں

کہ اگر "اگر سورج نکلا ہے تبھی دن ہے"

و "سورج نکلا ہے" تو لازم ہے کہ "دن ہے"

و "سورج نہیں نکلا ہے" تو لازم ہے کہ "دن نہیں ہے"

و "دن ہے" تو لازم ہے کہ "سورج نکلا ہے"

و "دن نہیں ہے" تو لازم ہے کہ "سورج نہیں نکلا ہے"

و کبھی وہ مقدمہ شرطی منفصل ہوتا ہے

تو انفصال حقیقی کے کسی جز کے استثناء سے دوسرے کی نقیض لازم آتی ہے

و کسی جز کی نقیض کے استثناء سے دوسرا جز لازم آتا ہے

جیسے "یہ چیز ساکن یا متحرق ہے"

و "یہ ساکن ہے" تو لازم ہے کہ "یہ متحرک نہیں ہے"

و "یہ ساکن نہیں ہے" تو لازم ہے کہ "یہ متحرک ہے"

و "یہ متحرک ہے" تو لازم ہے کہ "یہ ساکن نہیں ہے"

و "یہ متحرک نہیں ہے" تو لازم ہے کہ "یہ ساکن ہے"

و مانعت جمع کے کسی جز کے استثناء سے دوسرے کے نقیض لازم آتی ہے

جیسے "زید بوڑھا یا بچا ہے"

و "وہ بوڑھا ہے" تو لازم ہے کہ "وہ بچا نہیں ہے"

و "وہ بچا ہے" تو لازم ہے کہ "وہ بوڑھا نہیں ہے"

لیکن کسی کی نقیض کے استثناء سے کجھ لازم نہیں آتا ہے

کیونکہ ممکن ہے کہ زید نہ بوڑھا ہو و نہ بچا ہو بوجہ جوان ہونے کے

و مانعت خلو کے کسی جز کی نقیض کے استثناء سے دوسرا جز لازم آتا ہے

جیسے "سورج نکلا ہے یا اندھیرا ہے"

و "سورج نہیں نکلا ہے" تو لازم ہے کہ "اندھیرا ہے"

و "اندھیرا نہیں ہے" تو لازم ہے کہ "سورج نکلا ہے"

لیکن کسی جز کے استثناء سے کچھ لازم نہیں آتا ہے

کیونکہ ممکن ہے کہ سورج نکلا ہو و اندھیرا ہو بوجہ گرہن لگے ہونے کے

اب موقع بیانِ **خلف** کا آیا

تو ہم نے قولِ خصم کو ایک مقدمہ بنایا

پھر اس میں ایک مقدمۂ صادق ملایا

پھر اس سے نتیجۂ کاذب نکالا

پھر کہا کہ مقدمات صادق سے نتیجۂ صادق لازم ہے

لیکن نتیجہ یہاں کاذب ہے تو کوئی مقدمہ ضرور کاذب ہے اس سے لازم ہے

و جو مقدمہ ہم نے ملایا ہے وہ صادق ہے تو دوسرا کاذب ہے اس سے لازم ہے

جیسے کسی نے کہا کہ "منطق گمراہ کرنے والی ہے"

تو ہم نے کہا کہ "منطق آلۂ تحقیق ہے"

تو نتیجہ آیا کہ "آلۂ تحقیق گمراہ کرنے والا ہے"

جو ظاہر کذب ہے و دوسرا مقدمہ ظاہر صدق ہے

تو لازم ہے کہ مقدمۂ اول کاذب ہے

یعنی منطق گمراہ کرنے والی نہیں ہے
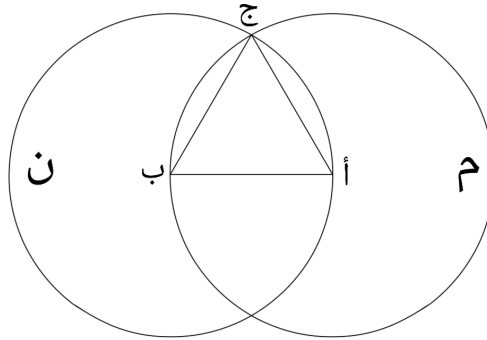
قیاس مرکب وہ ہے جو دو یا زیادہ قیاسات سے مل کے بنا ہے

جیسے مثلث متساوی اضلاع کی دلیل ہے

خط أب کے نقطۂ أ سے ب دوری پہ دائرہ م بنا ہے

و خط أب کے نقطۂ ب سے أ دوری پہ دائرہ ن بنا ہے

لہذا م و ن نے دو نقطوں پہ ایک دوسرے کو کاٹا ہے

جن میں سے ایک نقطہ کا نام ج رکھا گیا ہے

پھر دو خطوط أج و بج کو بنایا گیا ہے

تو سن کہ "ہر دائرہ کا نصفِ قطر ہر جانب برابر ہوتا ہے"

و "أب و أج دائرہ م کے نصف قطر ہیں"

تو لازم ہے کہ "أب و أج برابر ہیں"

و "أب و بج دائرہ ن کے نصف قطر ہیں"

تو لازم ہے کہ "أب و بج برابر ہیں"

و "وہ چیزیں جو ایک چیز کے برابر ہوں تو آپس میں برابر ہیں"

و "أج و بج دونوں أب کے برابر ہیں"

تو لازم ہے کہ "أج و بج ایک دوسرے کے برابر ہیں"

یعنی أبج مثلث متساوی اضلاع ہے

واضح رہے کہ علوم میں قیاس مرکب کا استعمال خوب ہے

وہ قیاس جس کا ہر مقدمہ یقیناً صادق ہو تو **برہان** ہے

پھر وہ برہان جس کا ہر مقدمہ ضروری ہو تو **برہان ضرورت** ہے

و وہ برہان جس کا کوئی مقدمہ ممکن ہو تو **برہان امکان** ہے

و برہان ضرورت نتیجۂ ضروری دیتا ہے

و برہان امکان نتیجۂ ممکن دیتا ہے

جیسے "چاند بالضرورت زمین کا چکر لگاتا ہے"

و "زمین بالضرورت سورج کا چکر لگاتی ہے"

تو "چاند بالضرورت سورج کا چکر لگاتا ہے"

و جیسے "ہر انسان بالامکان فلسفی ہے"

و "ہر فلسفی بالضرورت طالب حق ہے"

تو "ہر انسان بالامکان طالب حق ہے"

و **مقدمۂ برہان** کی پاچ قسم ہے

پہلا **اولی** ہے جو ہمیں عقلِ محض سے معلوم ہوا ہے

جیسے "کل جز سے بڑا ہے" و "دو تین سے کم ہے"

دوسرا **محسوس** ہے جو حواس سے معلوم ہوا ہے

جیسے "سورج چمکدار ہے" و "مرچ کڑوا ہے"

تیسرا **مجرب** ہے جو ترجبہ سے معلوم ہوا ہے

جیسے "شراب نشہ آور ہے" و "ہر آدمی مرنے والا ہے"

چوتھا **متواتر** ہے جو بہت بڑی جماعتوں سے معلوم ہوا ہے

جیسے "ابن سینا فلسفی تھا" و "کعبہ مکہ میں ہے"

پانچواں **نتیجۂ برہان** ہے جیسے "زمیں گیندہ ہے"

و **مقدمۂ ظنی** وہ ہے جو ظن غالب کا فائدہ دیتا ہے

مثلاً **مشہور** یعنی جو ہمارے شہر و سماج میں مانا جاتا ہے

جیسے اچھائی کا انجام ہمیشہ اچھا ہوتا ہے ایسا مانا جاتا ہے

جب کہ حقیقت میں اس کے خلاف بھی پایا جاتا ہے

و **منقول** یعنی جو ہم نے بڑوں سے سن کے مانا ہوتا ہے

جیسے بڑوں نے کہا ہے کہ ظلم سے حکومت ختم ہو جاتی ہے

جب کہ تاریخ اس قول کے کاذب ہونے کی گواہی دیتی ہے

و **مخیل** یعنی جو ہمارے خیال میں ہوتا ہے

جیسے ٹیوی میں ناٹک دیکھ کے خوشی و غم ہوتا ہے

جب کہ وہ سب کاذب ہے ہم کو معلوم ہوتا ہے

تمثیل جزی پہ قیاس کرنا ہے

قول "حاکم وسط میں ہوتا ہے" و "قلب بدن کے وسط میں ہے"

تو لازم ہے کہ "حاکم بدن قلب ہے"

قول "حاکم بلندی پہ ہوتا ہے" و "دماغ بدن کی بلندی پہ ہے"

تو لازم ہے کہ "حاکم بدن دماغ ہے"

ان دونوں میں سے ہر ایک دلیل فاسد ہے

کیونکہ دونوں میں پہلا مقدمہ جزئی ہے
کیونکہ ہر حاکم وسط میں نہیں ہوتا ہے
و نا ہی ہر حاکم بلندی پہ ہوتا ہے

استقراء یعنی جزئی کثیر پہ قیاس کرنا
جیسے بہت سے پرندوں کا معاینہ کر کے یہ کہنا
کہ "ہر وہ جو اڑتا ہے وہ انڈا دیتا ہے"
و "یہ اڑتا ہے" تو "یہ انڈا دیتا ہے"
یہ بھی تمثیل کے مثل ظن غالب کا فائدہ دیتا ہے
کیونکہ چمگاڈڑ اڑتا ہے لیکن انڈا نہیں دیتا ہے
یعنی ہر اڑنے والا انڈا نہیں دیتا ہے
تو یہ بھی انڈا نہ دیتا ہو ہو سکتا ہے
پھر جزئیات جتنی کثیر ہوں ظن اتنا غالب ہوتا ہے

علوم میں واقع ہونے والے سوال سات قسم کے ہوتے ہیں
جن میں سے چار "کیا"، ایک "کونسا" و دو "کیوں" سے کیے جاتے ہیں
پہلا لفظ کی تشریح کا سوال، جو "کیا" سے ہوتا ہے
جس کے جواب میں دوسرے الفاظ سے ترجمہ کیا جاتا ہے
جیسے کسی نے خمر کا ذکر کیا
تو "خمر کیا ہے؟" تو نے سوال کیا
"خمر شراب ہے" اس نے جواب دیا
دوسرا چیز کی حقیقت کا سوال، جو "کیا" سے ہوتا ہے
جس کے جواب میں چیز کی حد بیان کی جاتی ہے
جیسے "انسان کیا ہے؟" کسی نے سوال کیا
"وہ عقل والا حیوان ہے" تو نے جواب دیا

تیسرا چیز کے وجود کا سوال، جو "کیا" سے ہوتا ہے

جس کا جواب "ہاں" یا "نا" میں دیا جاتا ہے

جیسے "کیا الله ہے؟" کسی نے سوال کیا

"ہاں وہ ہے" تو نے جواب دیا

چوتھا چیز کے حال کا سوال، جو "کیا" سے ہوتا ہے

جس کا جواب بھی "ہاں" یا "نا" میں دیا جاتا ہے

جیسے "کیا انسان اڑتا ہے؟" کسی نے سوال کیا

"نہیں، وہ نہیں اڑتا ہے" تو نے جواب دیا

پانچواں چیز کی فصل کا سوال، جو "کونسا" سے ہوتا ہے

جس کے جواب میں فصل ذکر کی جاتی ہے

جیسے "یہ کونسا حیوان ہے؟" کسی نے سوال کیا

"یہ عقل والا حیوان ہے" تو نے جواب دیا

چھٹواں علت وجود کا سوال، جو "کیوں" سے ہوتا ہے

جس کے جواب مین تو چیز کے وجود کی علت ذکر کرتا ہے

جیسے "یہ کپڑا کیوں جلا؟" کسی نے سوال کیا

"کیونکہ یہ آگ میں گیا" تو نے جواب دیا

ساتواں علت دعوی کا سوال، جو "کیوں" سے ہوتا ہے

جس کے جواب میں تو وجود کا دعوی کرنے کی علت ذکر کرتا ہے

جیسے "تو نے کیوں کہا کہ یہ کپڑا آگ میں گیا؟" کسی نے سوال کیا

"کیونکہ میں نے اسے جلا ہوا پایا" تو نے جواب دیا

تو جان لے کہ برہانِ علت کی دو قسم ہوتی ہے

ایک برہانِ وجود جس سے علتِ وجود معلوم ہوتی ہے

دوسری برہانِ تصدیق جس سے علتِ دعوی معلوم ہوتی ہے

جیسے "وہاں دھواں ہے" تو نے دعوی کیا

"تجھے کیسے معلوم؟" ہم نے سوال کیا

"کیونکہ میں نے وہاں آگ دیکھا ہے" تو نے جواب دیا

تو تو نے برہان وجود و برہان تصدیق دونوں ذکر کیا

کیونکہ آگ دھویں کے وجود کی علت ہے و تیرے دعوی کی بھی علت ہے

وایسے ہی "وہاں آگ ہے" تو نے دعوی کیا

"تجھے کیسے معلوم؟" ہم نے سوال کیا

"کیونکہ میں نے وہاں دھواں دیکھا ہے" تو نے جواب دیا

تو تو نے خالص برہان تصدیق ذکر کیا

کیونکہ دھواں وجودِ آگ کی علت نہیں، فقط تیرے دعوی کی علت ہے

اب جب تو نے یہ سب جان لیا ہے

تو بڑی کتابیں پڑھنے کو تو تیار ہے

"آزادوں کے سینے بھیدوں کے مقبرے ہیں" غزالی کا کہنا ہے

یعنی تجھے اپنے افکار و خیالات میں ہمیشہ آزاد رہنا ہے